کلیات سودا کی تدوین کا تنقیدی جائزہ

صباحت قمر☆

کلیات سودا ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی کا پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ ہے جس پر انہیں لندن یونیورسٹی سے اپریل ۱۹۷۶ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی گئی تھی۔ اسے مجلس ترقی ادب نے ستمبر ۱۹۷۶ء میں شائع کیا تھا، اب تک اس کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

شمس الدین صدیقی نے کلام کو چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے پہلے حصے میں وہ کلام ہے جو ان کے خیال میں سودا کا کلام ہے۔ دوسرے حصے میں وہ کلام ہے جس کے بارے میں گمانِ غالب ہے کہ یہ کلام سودا کا ہے۔ تیسرے حصے میں وہ کلام ہے جو دو یا دو سے زائد نسخوں میں موجود ہے۔اس حصے کے بارے میں بقول محقق یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا وہ واقعی سودا ہی کا کلام ہے۔چوتھے حصے میں وہ کلام ہے جو صرف ایک نسخے یا تذکرے میں ہے۔ پانچویں حصے میں موجود کلام خود محقق نے نہیں دیکھا وہ قاضی عبدالودود نے دیکھا ہے اور ان کے احباب نے کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن سے نقل کر کے بھیجا ہے۔ چھٹے حصے میں موجود کلام سودا کے مطبوعہ ایڈیشنوں میں ہے مگر کسی مجموعے میں موجود نہیں۔یہ مشکوک ترین کلام ہے۔

متن میں مرتب نے جدید املا کو اختیار کیا ہے سوائے ایسے موقعوں پر جہاں جدید املا سے شعر کے وزن و آہنگ میں فرق پڑنے کا احتمال تھا۔ مثلاً ئیں، کیدھر، وغیرہ۔

☆ لیکچرر، شعبہ اردو ، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

سودا کے عہد میں یائے معروف اور یائے مجہول کو ''ی'' اور ''ے'' سے ظاہر نہیں کیا جاتا تھا بلکہ سیاق و سباق کے لحاظ سے اسے معروف و مجہول پڑھا جاتا تھا لہذا اکثر اشعار میں محقق نے ذاتی پسند و قیاس سے کام لیا ہے اور اکثر اوقات انہیں جہاں یائے معروف مناسب لگی ہے وہاں وہی لکھی ہے۔ یہ رویہ تحقیقی و تنقیدی اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔ ان کو شعر کے سیاق و سباق کے اعتبار سے اس کا تعین کرنا چاہئے تھا اور سودا کی شعری مزاج اور تانیث و تذکیر کے سلسلے میں عصری و مقامی رجحان کو مد نظر رکھکر قیاس کرنا چاہئے تھا۔ اسی طرح ''آوے ہے'' اور'' آئے ہے'' وغیرہ کے لئے کوئی خاص اصول پیش نظر نہیں رکھا گیا بلکہ ذاتی پسند کو بنیاد بنایا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ سودا کے زمانے میں جس طرح یہ الفاظ رائج تھے اسی کی فوقیت دی جاتی۔

شمس الدین صدیقی نے پاورق میں دوسرے نسخوں کی تمام مسترد شدہ قرائتوں کو صرف اختلاف نسخ کے طور پر درج کیا ہے اور کون سے اشعار کن ایڈیشنوں میں شامل نہیں ہیں اور ان کا زمانۂ تصنیف کیا ہے اس کی نشاندہی کی ہے۔ آخر میں دو ضمیمے ہیں۔ ایک سودا کی زبان کے بارے میں اور دوسرا الحاقی کلام کے بارے میں نسخوں کی تفصیلات بھی دی ہیں اور ان کے لئے مخففات استعمال کئے گئے ہیں، مثلاً نسخہ جانسن، مخزونہ، انڈیا آفس لائبریری کی علامت ''ج'' مقرر کی گئی ہے اس طرح تقریباً ۱۹ نسخے ہیں جن کو پیش نظر رکھا گیا ہے، جب کہ بنیادی نسخہ، نسخۂ جانسن کو بنایا گیا ہے۔

محقق نے حقائق کو حتمی طور پر متعین نہیں کیا۔ان کا انداز کہیں کہیں غیر تحقیقی و غیر محتاط ہو جاتا ہے مثال کے طور پر نسخہ جانسن کی تفصیلات نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''..........تقریباً ۹۵۰۰ ابیات''(۱)

تقریباً کے لفظ سے یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ محقق کو اپنی رائے اور متعین شدہ تعدادِ اشعار پر اعتماد نہیں ہے۔

اسی طرح آگے چل کر لکھتے ہیں 'غالباً' یہ مصنف سودا ہے۔(۲) یہ جملہ تنقیدی و تحقیقی مزاج کے خلاف ہے۔ ایک اور جگہ لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سودا نے نسخہ رچرڈ جانسن کی خدمت میں ایک شخص مسمی میر حسن کی معرفت پیش کیا۔'' حوالے اور ماخذ کے بارے میں

محقق خاموش ہے کہ یہ نتیجہ کیسے، کیوں کر اور کہاں سے اخذ کیا؟ اکثر جگہوں پر ''قیاس تو یہ چاہتا ہے'' ''شاید اس کی وجہ یہ ہو'' جیسے فقرے استعمال کئے گئے ہیں جن سے یہ تاثر اُبھرتا ہے کہ محقق کسی بھی حتمی نتیجے پر پہنچنے میں ناکام رہا ہے۔

جس نسخہ جانسن کو شمس الدین صدیقی نے اساسی نسخہ بنایا ہے اس کے بارے میں پیش لفظ میں لکھا ہے کہ سودا کے کلام کا کافی حصہ اس نسخے سے حذف کر دیا گیا اور گمانِ غالب ہے کہ یہ نسخہ سودا کی نظر سے نہیں گذرا۔'' (۳) یہاں دوسوال پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ اگر یہ نسخہ سودا کی نظر سے نہیں گذرا تو سودا کا خاصا کلام حذف کیسے کیا گیا؟

۲۔ دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس نے حذف کیا اور اس امر کے حق میں وہ کون سے شواہد اور دلائل ہیں جو محقق کے پیش نظر ہیں؟

مدون نے پاورق میں اختلاف ہائے نسخ کثرت سے دیئے ہیں مگر بنیادی نسخے میں موجود اشعار کو بعینہٖ متن کا حصہ بنا دیا ہے خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہوں۔ اکثر مقامات پر پاورق میں نوٹ لکھا ہے کہ شعر کا مفہوم واضح نہیں ہے یا کاتب کی غلطی نے لفظ کچھ سے کچھ کر دیا ہے یا معانی واضح نہیں۔ جب کہ بہت سے مقامات پر پاورق میں اختلافِ نسخ میں دیئے گئے اشعار میں صحیح شعر موجود ہے جس کا تعین سودا کا ذخیرہ الفاظ اور شعری مزاج اور نفس مضمون کو مدنظر رکھ کر کیا جا سکتا ہے۔

مثال کے طور پر حضرت محمد ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح میں سودا کا مشہور قصیدے میں لفظ ''بدیئساں''(۴) شعر کے معنی خبط کر دیتا ہے اس لئے کاتب نے لاعلمی کی بنا پر بدیں ساں کو اکٹھا لکھ دیا اور شمس الدین صدیقی نے بھی اسے ایسے ہی شامل کر دیا ہے جس سے قاری کی راہنمائی نہیں ہوتی اور شعر اور لفظ کے معانی فوت ہو جاتے ہیں۔

قصیدہ شہر آشوب میں درج ذیل شعر موجود ہے۔

پوماہہ پہ بیٹھے ہے ولے پان سو ہے خرچ
اور زر کے اجارے کا بھی اردو میں نشان ہے (۵)

اختلاف نسخے میں مصرع اولیٰ کی صحیح مشکل موجود ہے اور صحیح مصرع ثانی بھی موجود

ہے اس سے شعر واضح ہو جاتا ہے پاورق میں محقق لکھتے ہیں کہ اس شعر کا مفہوم واضح نہیں حالاں کہ اگر اختلافِ نسخ کو سامنے رکھ کر شعر کی تدوین کی جاتی تو شعر موزوں اور واضح ہو جاتا۔ ان کے ہاں یہ عمومی رویہ ہے کہ وہ قاری کی صوابدید پر تمام معاملات کو چھوڑ دیتے ہیں۔

جن اشعار میں تضمین ہے ان کی تخریج بھی نہیں کی گئی۔

مثال کے طور پر قصیدہ ''در مدحِ سیف الدولہ علی خان خان بہادر'' میں شعر ہے۔

''از سایہ ہائے بیدِ مولہ بہر طرف
دارد زمیں کمانِ سیہ توز در کنار'' (۶)

اس اشعار پر علامت واوین یہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ شعر کسی اور شاعر کا ہے مگر پاورق میں محقق خاموش ہے۔ لہٰذا بنظرِ غائر جائزے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حوض میں معیاری متن درج نہیں کیا گیا اور دوسرے نسخوں کی مدد سے تصحیح متن کا فریضہ سرانجام نہیں دیا گیا۔ اس طرح نہ صرف یہ کہ مرتب نے اپنی تنقیدی رائے کے اظہار سے گریز کیا ہے بلکہ فیصلہ ہر طرح سے قاری کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے۔ اِس سے یہ احساس جنم لیتا ہے کہ مرتب نے اپنے آپ کو متن کے جمع کرنے اور اس کی روایت تک محدود رکھا ہے۔

ایک شعر درجِ ذیل صورت میں درج ہے۔

جو مرد ہیں شکل اُن کی یوں سطحِ زمیں پر ہے
تصویر ہو شیروں کی جوں قاطی میں باقیدہ (۷)

مصرعہ ثانی میں لفظ ''قاطی'' سے شعر کا مفہوم غیر واضح ہو گیا ہے جب کہ اختلاف نسخ میں ''جوں قالیں میں بافیدہ'' درج ہے جس سے شعر واضح ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کی ایک اور مثال درجِ ذیل ہے۔

تجھ سے چپڑ کے صید چھپے پہاڑ میں
تو چھان کر پہاڑ کو کر دیوے دام تیر (۸)

لفظ ''چپڑ'' کی بجائے یہاں لفظ ''بچھڑ'' ہونا چاہئے اختلاف نسخ میں ''تجھ سے بچھڑ کے صید'' موجود ہے جو شعر کے سیاق و سباق کے اعتبار سے مناسب اور موزوں ہے۔ اس

سے شعر کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے۔

علامات وقف کا خیال بھی نہیں رکھا گیا اکثر مقامات پر (،) کی علامت موجود نہیں ہے جس سے شعر مبہم ہو جاتا ہے مثال کے طور پر

پیل لے جائے پیل کو پشہ
اس کے آگے کریں جو باہم زور

مصرع اولیٰ میں ''پیل لے جائے'' کے بعد (،) ہونا چاہئے۔

ایک اور مثال ملاحظہ کیجئے۔

تار تنبور نہیں رشتہ زنار فقط
لگے سر سانچ میں تسبیح کے بھی دانوں تک (۱۰)

مذکورہ شعر میں وقفہ کی علامت موجود نہیں جب کہ علامت اوقاف درج ذیل طریقے سے شعر میں ہونی چاہیے تھیں۔

تارِ تنبور ، نہیں رشتہ زنار فقط
لگے سر، سانچ میں، تسبیح کے بھی دانوں تک(۱۱)

علاوہ ازیں شعر میں سانچ کا لفظ سیاق و سباق کے اعتبار سے غلط ہے اختلافِ نسخ میں ''سانچ'' موجود ہے نیز سیاق و سباق کے اعتبار سے جو مفہوم واضح ہوتا ہے وہاں سانچ بے محل ہے مگر مدون نے صرفِ نظر سے کام لیا ہے اور اپنے لئے سہولت پیدا کی ہے اور تنقیدی شعور استعمال نہیں کیا۔ ''درہجو اسپ'' میں ایک شعر یوں درج ہے۔

مانند میخ چو کے لکدزن ہے تھان پر
لاجب وہ زمیں سے ہے جوں میخ استوار

شعر کے مطالعہ سے لفظ چو کے پڑھا جائے گا جب کہ لفظ ''میخ چو'' ہے۔ معلوم نہیں کہ ''مجلس ترقی ادب'' سے اشاعت کے وقت غلطی سرزد ہوئی ہے یا مدون نے جو متن فراہم کیا اس میں یوں ہی لکھا ہوا ہے۔

مذکورہ بالا جائزے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر مدون توجہ کرتے تو یہ کام وقیع ہوسکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ کلیات سودا ، جلد اول غزلیات مرتبہ ڈاکٹر شمس الدین، ص ۱۴

۲۔ کلیات سودا ، جلد اول غزلیات مجلس قرآنی آدب ، ص ۱۴

۳۔ کلیات سودا ، جلد اول غزلیات مرتبہ ڈاکٹر شمس الدین ، ص ۱۶

۴۔ کلیات سودا ، جلد اول غزلیات مرتبہ ڈاکٹر شمس الدین ۔

مستعملہ مخطوطات کی تفصیلات :

بدین ساہ جلد دوم ص ۲۰ طبع اول نمبر ۱۹۷۶ء

۵۔ شہر آشوب، جلد دوم ص ۳۵۲۔

۶۔ شہر آشوب، جلد دوم ص ۱۷۸۔

۷۔ شہر آشوب، جلد دوم ص ۳۹۸۔

۸۔ شہر آشوب، جلد دوم ص ۲۹۰۔

۹۔ شہر آشوب، جلد دوم ص ۲۹۶۲۔

۱۰۔ شہر آشوب، جلد دوم ص ۳۱۲۔

۱۱۔ شہر آشوب، جلد دوم ص ۳۳۶۔